مقدمہ

الحمد للہ وصلی اللہ علی نبیہ ومصطفاہ

تمہید:

الفقیر الی اللہ محمد عبد القدیر صدیقی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن عرض کرتا ہے کہ اس جامعہ میں ہر علم و فن کی تعلیم دی جارہی ہے۔ جو مفید کتابیں اردو میں پہلے سے موجود ہیں وہ نصابِ تعلیم میں داخل کرلی جاتی ہیں۔ جن سے اردو کا خزانہ خالی ہے وہ، ادارۂ تالیف وترجمہ کے توسط سے تیار کرالی جاتی ہیں۔ ان کا فائدہ صرف جامعہ عثمانیہ تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام ہندوستان، (پاکستان)، اوراردو زبان ان سے مستفید ہوتی ہے۔

جب فلسفۂ اسلام کے موضوع پر شیخ الاکبر محمد بن علیؒ کی کتاب "فصوص الحکم" جامعہ کے نصاب کے لیے تجویز کی گئی تو اس کے ترجمے کی ضرورت پیش آئی۔ چناں چہ اس کام کے لیے فقیر کو انتخاب کیا گیا۔ معلوم ہے کہ اس کتاب کا حال کیا ہے! يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا [(یعنی) اس سے بہت سے (ناسمجھ) گمراہ ہورہے ہیں اور اسی سے بہت سے (حق شناس) ہدایت پارہے ہیں، (البقرۃ:۲۶)۔ لہٰذا] کام مشکل تو تھا مگر فقیر نے تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّـهِ، [(یعنی) میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، (ھود:۵۶)]، کہہ کر لکھنا شروع کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو درجۂ اتمام تک پہنچادیا۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمے وشرح کو قبول عام عطا فرمائے۔

فُصوص الحکم کی خصوصیت:

فصوص الحکم کی، جو شیخ ابن عربیؒ کی مصنفات میں اوسط حجم کی کتاب ہے، اس لیے اہمیت پیدا ہوگئی کہ شیخؒ نے مکاشفے میں دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب اُن کو دی ہے اور اِس کے ظاہر کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔

Siddiqui Publications

فصوص الحکم میں شیخؒ، قرآن شریف میں انبیاؑ کے قصوں اور ان کے حالات میں جو کچھ آیا ہے، ان سے، یا تو بطور تفسیر کے، یا بطور اعتبار کے، مسائلِ توحید و تصوف کو استنباط (یعنی نتیجے اخذ) کرتے ہیں۔ شارحین اس کتاب سے ایسے مرعوب ہیں کہ وہ آیاتِ قرآنی کی تاویل (و تشریح) کرتے ہیں مگر شیخؒ کے قول کی تاویل نہیں کرتے، اور نہ ان کے عقائد سے جو فتوحات مکیہ کے شروع میں بیان کیے گئے ہیں، توفیق و تطبیق (یعنی اتفاق کرنے اور مطابقت) دینے کی کوئی سعی کرتے ہیں۔

دوسرے شارحین کے برخلاف، فقیر، شیخؒ کے قول کی تاویل کرتا ہے اور ان کے عقائد کے ساتھ توفیق بھی دیتا ہے (یعنی ان سے اتفاق بھی کرتا ہے)۔

طریق ترجمہ و شرح:

لوگوں کو شیخؒ کی طرزِ تحریر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں۔ بعض اُن کو قطبِ معرفت سمجھتے ہیں، اور قرآن شریف کی آیتوں کی تاویل کرتے ہیں مگر شیخؒ کے اقوال کی تاویل نہیں کرتے۔ بعض اُن کے برعکس شیخ کی تکفیر میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

بعض یورپ زدہ نادان شیخؒ کے فلسفے یا حکمت کو افلاطون کا فلسفہ سمجھتے ہیں۔ مگر اُن کی (یہ) سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام کتاب (تو) جنیدؒ بغدادی، ابویزیدؒ بسطامی، سہلؒ بن عبداللہ تستری کے اقوال (کے علاوہ) آیاتِ قرآن مجید و احادیث سے بھری پڑی ہے۔ (شیخؒ) اپنے کشف کا بھی جابجا ذکر کرتے ہیں مگر اس میں افلاطون کا کہیں ایک جگہ بھی ذکر نہیں ہے۔ اول تو یہ ثابت ہی کب ہوا ہے کہ فلسفۂ افلاطون کی کتاب، شیخؒ کو پہنچی بھی تھی؟۔۔۔ کسی دشمنِ اسلام نے لگا دیا کہ شیخؒ نے افلاطون سے لیا ہے، اور جیسے مقلدوں کے لیے بس آیت اُتر آئی۔ امام ابو حنیفہؒ کے لیے بھی ظالم یہ اُڑاتے ہیں کہ انہوں نے (اپنا کام) رومن لا (Roman Law) سے، یا توراۃ انوشیرواں سے لیا ہے۔ اُن کو معلوم نہیں کہ عقائد و فقہ کے اصول ہیں کیا!۔۔۔ یہاں قرآن اور حدیث کی شرح و تفسیر تو ہو سکتی ہے۔ اُن سے احکام استنباط کیے جاتے ہیں مگر ان کے خلاف ایک مسئلہ بھی چل نہیں سکتا۔ یہ کمالِ جہل و تقلید میں، کمالِ علم و تحقیق کا ادّعا ہے (یعنی یہ سب بے دلیل باتیں ہیں)۔ ہم کو دشمنوں کے کہنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ دوستوں کے دشمنوں کا ساتھ دینے سے ایذا ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں فقیر کا پہلا طریقہ یہ رہا کہ فصوص (یعنی ابواب سے پہلے، ان میں سے اکثر) کی ایک تمہید لکھی ہے جس میں نفسِ مسئلہ کی تحقیق کی ہے۔ اور اگر کسی مسئلے میں دوسرے ائمہ فن کا اختلاف ہو تو اسے بھی لکھ دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ، چوں کہ فنِ تصوف میں مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں اور مختلف حضرات نے ایک ہی معنیٰ کو مختلف تعبیرات سے ادا کیا ہے، لہٰذا فقیر نے بھی ایک ہی وقت مختلف الفاظ و اصطلاحات لکھ دیے ہیں اور ان کے معنیٰ بھی بتا دیے ہیں تا کہ پڑھنے والے کے کان آشنا ہو جائیں، اور مختلف کتابوں کے مطالعے کے وقت کسی قسم کی پریشانی واقع نہ ہو۔ اگر کہیں قرآن شریف کی آیت آجاتی ہے، تو اول تفاسیر کے مطابق اس کا ترجمہ کیا ہے اور پھر شیخؒ کے اعتباری معنیٰ بیان کیے ہیں۔۔۔ اعتباری معنیٰ کیا ہوتے ہیں، اس کو میں آئندہ بیان کروں گا۔

فقیر کی تیسری کوشش یہ رہی ہے کہ شیخؒ کے مختلف اقوال میں تناقص (یا کوئی تضاد) پیدا نہ ہو۔ چناں چہ ہر قول کا محل (و مقام) بیان کر دیا ہے۔ فتوحات مکیہ سے شیخ کے عقائد کا بھی ترجمہ کر دیا ہے۔ تا کہ دوسرے اقوال کا مرجع ہو سکیں (اُن کا خیال رکھ سکیں) اور اُن کے مطابق تاویل ممکن ہو۔

شیخؒ کے کلام میں "مشاکلہ" بکثرت ہے۔ مشاکلہ عربی زبان میں بھی ہے اور دوسری زبانوں میں بھی۔ اشعار میں بھی ہے اور نثر میں بھی۔ کلام اللہ میں بھی ہے، اور دوسروں کے کلام میں بھی۔

مشاکلہ کیا ہے۔۔۔؟ ایک لفظ پہلے آتا ہے اور اپنے اصلی معنیٰ میں رہتا ہے۔ پھر وہی لفظ دوبارہ آتا ہے اور اُس سے دوسرے معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کہے۔ تم نے مجھ سے خباثت کی، اب میں بھی دیکھو کیسی خباثت کرتا ہوں، (یعنی خباثت کی سزا دیتا ہوں)۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ {یعنی} انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے اُس کی سزا دی، اللہ مکاروں کو سزا دینے میں سخت ہے (اٰل عمران:۵۴)۔ شیخ کہتے ہیں، فیعبدنی واعبدہٗ۔ حق تعالیٰ کے صفاتِ اضافیہ، مثلاً رزاق، معطی (یا) رب کو اپنے ظہور میں عبد کی ضرورت ہے۔ اور عبد تو اپنے رب کی طرف وجود میں اور تمام قوتوں میں محتاج ہے ہی۔ ایسی صورت میں فقیر لفظی ترجمہ کرنے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ بلکہ مرادی معنیٰ بیان کرتا ہے تا کہ سوے ادبی کی صورت بھی نہ پیدا ہو۔۔۔ (نوٹ: واضح ہو کہ مترجمؒ نے فیعبدنی واعبدہٗ کا ترجمہ یوں کیا ہے، "وہ مجھے سرفراز کرتا ہے {جو کچھ میں اپنی زبانِ حال، زبانِ استعدادِ وجود اور توابعِ وجود سے سوال کرتا ہوں} اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں"۔ دیکھیے، باب ۵ : صفحہ ۷۴۔۔۔ مرتب)

شیخؒ جب ایک دفعہ ایک مسئلے کو جامع، مانع، اور قیود و شرائط لگا کر بیان کر دیتے ہیں تو طالب پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اُس کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے گا، اور پھر بار بار قیود نہیں لگاتے۔ مثلاً ایک دفعہ لکھ دیا کہ موجود بالذّات خدا کے سوا کوئی نہیں۔ سب، ماسوا اللہ، موجود بالعرض ہیں۔ پھر کہیں لکھ دیں گے کہ "خدا کے سوا کوئی نہیں"۔ یعنی بالذّات کوئی نہیں۔ اس کے معنیٰ ہرگز یہ نہیں کہ حقائقِ اشیا باطل ہیں۔ عبد و رب میں کوئی فرق نہیں۔

ادیبوں کی عادت ہے کہ کمزور اور ناقابلِ لحاظ شئے کو بمنزلۂ عدم کے (یا نہ ہونے کے برابر) سمجھتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ "آپ کے سوا دینے والا ہے ہی کون؟" یعنی آپ کے جود و سخا کے مقابل دوسروں کی داد دہش (یعنی سخاوت) ناقابل ذکر ہے، ہیچ پوچ ہے۔ اسی طرح خدا کے بالذّات وجود و قوت کے مقابل، بندوں کا وجود اور قوتیں ناقابل شمار ہیں، حکم عدم میں ہیں۔۔۔ ادبی جملے میں جو لطف ہے وہ منطقی قضیے میں کہاں!۔۔۔ ہر جگہ منطق، لطفِ سخن کو نابود (وفنا) کر دیتی ہے۔

بعض الفاظ کے خود لغت میں مختلف معنٰی ہوتے ہیں۔ مثلاً عین (آنکھ، ٹھیک ، خاص)، آفتاب (سورج دھوپ، واضح، روشن) طلا (سونا، ایک خاص تیل جو جسم پر ملتے ہیں) یا ذات (حقیقت وماہیت قوم، حیثیت، دَم) وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو مشترک کہتے ہیں۔ بعض الفاظ کے معنٰی لغت اور زبان میں کچھ اور ہوتے ہیں اور عرفِ شرع یا اصطلاحِ خاص میں کچھ اور۔ مثلاً پیغامبر (یعنی) پیغام لانے والا، اور عرفِ شرع میں خدا کا وہ معصوم و ممتاز بندہ جو پیغام الٰہی اس کے بندوں کے پاس لاتا ہے۔ رسول کی بھی یہی حالت ہے۔ وحی (یعنی) اشارہ، الہام، رسول پر نازل ہونے والے احکام۔ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ [(یعنی) شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا، (النحل:٦٨)]۔ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ [(یعنی) ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا، (القصص:٧)]۔ نبی (یعنی) باخبر، واقف، پیغمبر خدا۔ ان سب مقامات میں قرائن سے معنٰی متعین ہوتے ہیں۔ بعض جگہ شیخؒ نے نبی کا لفظ، واقف اور خبر دار کے معنٰی میں استعمال کیا ہے، نہ کہ بمعنٰی پیغمبر یا صاحبِ نبوت۔ مخالفوں کو موقع مل گیا کہ شیخؒ، خاتم النبیینؐ کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے جاری رہنے کے قائل ہیں۔۔۔ ایسی صورت میں فقیر مترجم، مسئلے کو صاف کر دیتا ہے کہ یہاں شیخؒ نے اس لفظ کو لغوی معنٰی میں مستعمل کیا ہے نہ کہ عُرفی شرعی معنٰی میں۔ فصوص میں اس قسم کے متعدد مقامات ہیں۔ چناں چہ شیخؒ کے عقائد نامے پر زور دینے سے زیادہ یہاں یہ ضروری ہے کہ غور کریں کونسا قرینہ ہو سکتا ہے؟۔۔۔ (اور یہ) دیکھیں کہ یہاں لغوی معنٰی مراد ہیں یا اصطلاحی و شرعی۔

بعض دفعہ متضاد الفاظ معاً (یا ساتھ ساتھ) استعمال کرنے سے لطفِ کلام بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ [(یعنی) وہ اول ہے، اور وہ آخر ہے، اور وہ ظاہر ہے اور وہ پوشیدہ ہے، (الحدید :٣)]۔ مجبوراً فقیر مترجم کو وجہ اعتبار دکھانی پڑتی ہے۔ مثلاً وہ اول ہے بلحاظ احدیت و ذات کے ، اور آخر ہے باعتبار واحدیت و اسما وصفات کے۔ وہ ظاہر ہے بلحاظ آثار کے، اور باطن ہے باعتبار کنہ حقیقت (یا اصلِ روح) کے۔ غرض کہ فقیر مترجم کو ہر امر کی وجہ بیان کرنی پڑتی ہے۔

شیخؒ، اعتبار کو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ ایک شخص کے قول کو یا شعر کو اپنے حسبِ حال معنٰی پر ڈھال لینا، اعتبار ہے۔ حضرت سلطان العاشقین شیخ عمرؒ بن فارض بکری کا دیوان مشہور ہے۔ ہر مذہب کے لوگ اس سے لطف اُٹھاتے ہیں۔ اُن کا قصیدۂ خمریہ اور تائیۃ الکبریٰ معروف ہے۔ بڑے بڑے فاضلوں نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں سے مولانا عبدالرحمانؒ جامیؔ کی لوامع، مطبوع و متداول (پسندیدہ ورائج) ہے۔ اس سے ہر شعر کو حقانی معانی پر ڈھال لینے کی طرف راستہ ملتا ہے۔ کونسا نادان سمجھے گا کہ سلطان العاشقین شراب خوار تھے اور امّ الخبائث کی ثناخوانی کرتے تھے۔ مرزا عبدالقادر بیدلؔ یا خواجہ شمس الدّین حافظؔ کا مقصودِ شراب یعنی امّ الخبائث سے مراد "جوشِ محبت" ہے۔ لیلیٰ مجنوں کی ہڈیاں تک باقی نہیں۔ کونسا شاعر اس خاص مرد اور عورت پر شعر کہتا ہے۔ مجنوں سے مراد "عاشق" ہے اور لیلیٰ سے مراد "محبوب" ہے۔

میں نے حکیم عمر بن ابراہیم خیّام کے چند رسائل کے ترجمے کیے ہیں۔ (وہ) بڑا مذہبی، محبِ خدا و (محبِ) رسول شخص ہے۔ (لیکن) اُس کو تو لوگوں نے ایسا شرابی کبابی بنا دیا کہ توبہ بھلی۔ ہر رباعی کے متعلق اس کے منظر کی تصویر بنا دی۔ اُس پر جھوٹی کہانیاں بھی گھڑ لیں۔

ایک بزرگ ہاتھ میں تسبیح لیے خلوت گاہ میں بعض اسمائے الٰہیہ کی زکوٰۃ دے رہے تھے۔ اُن کی خلوت گاہ کے قریب دو عورتیں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایک نے پوچھا، تو نے آج کیا کمایا۔ دوسری نے بتایا کہ اتنے روپے۔ پہلی نے مصارف پوچھے۔ دوسری نے چند مصارف بتائے۔ پہلی نے کہا، کیوں تو نے اپنے یار کو اتنے روپے نہیں دیے۔ دوسری نے کہا، حسابِ دوستاں در دل۔ یہ سنتے ہی اس خلوت نشین صاحب نے تسبیح توڑ دی اور اُٹھ کھڑے ہوئے کہ، حسابِ دوستاں در دل نہ کہ در تسبیح [محبوب کی یاد دل میں، نہ کہ تسبیح پر (یعنی پھر یہ گنتی کیوں!)]۔

بعض حضرات نے قرآن مجید سے اعتبار لینے اور عبرت حاصل کرنے کے اُصول میں رسالے لکھے ہیں۔ شیخؒ نے بھی آیاتِ قرآنی سے اعتبارات پیدا کیے ہیں۔ وہ تفسیر قرآن نہیں ہیں۔ اسے تفسیر سمجھنا اور پھر شیخؒ سے لڑنا، ظلم ہے ظلم۔ سخن شناس نئ دلبرا خطا ایں جاست (سخن شناسی یہاں خطا ہے اے دوست)۔ شیخؒ اعتبار لیتے ہیں کہ موسیٰؑ قلبِ سلیم اور ہارونؑ عقلِ مستقیم، فرعون نفسِ لعین کے پاس تبلیغِ حق کرنے کو پہنچے۔ توحیدِ الٰہی کی طرف دعوت دے دی۔ وہ سرکش بھلا کیا مانتا تھا۔ موسیٰؑ قلب سلیم نے چند آثارِ قدرت الٰہی و معجزات پر متوجہ کرایا اور معجزے دکھائے۔ اُس نے بھی چند قوتِ ارادی کے کرتبوں کے ساحروں کو پیش کر دیا۔ موسیٰؑ قلب سلیم کے عصا کے سامنے وہ کیا ٹھیر سکتے تھے۔! قوتِ ارادی کے کرتب بھی روحانیت کی جنس سے تھے۔ اُنھوں نے آثارِ قدرت الٰہی کو دیکھ کر حق المعبود کے سامنے سر جھکا دیے۔ فرعون نفس چوں کہ روحانیت سے ناآشنا تھا

اُس نے نہ سمجھا اور نہ مانا۔ موسیٰؑ قلبِ سلیم مع متبعین خیالاتِ طیبہ (سچ کی اتباع کرنے والے)، فرعون نفس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے دریاے حق میں سے پار نکل گئے اور سرزمین بقا باللہ میں پہنچ گئے۔ فرعون نفس نے اپنے خطرات واہیہ (اور بے ہودہ ارادوں) کے لشکر کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا۔ دریاے وحدت میں ڈوبنے لگا تو چلا اُٹھا کہ میں بھی موسیٰؑ قلبِ سلیم اور ہارونؑ عقلِ مستقیم کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لہٰذا فرعون، نفسِ ایمان کے ساتھ طاہر و مطہر فنا ہو گیا۔ آگے باقی باللہ کی سرزمین میں قلبِ سلیم اور عقلِ مستقیم تو رہتے ہیں مگر نفس اور اُس کے وساوس و خطرات کا بالکل پتا نہیں۔۔۔ یہ تفسیر نہیں ہے، بلکہ اعتبار ہے۔

اعتبارات کے مقامات میں فقیر مترجم، اول تفسیر کرتا ہے، پھر اعتبار بناتا ہے تاکہ کوئی نادان اعتبار کو تفسیر نہ سمجھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اعتبارات بھی جس قدر آیاتِ قرآن مجید سے حاصل ہوتے ہیں کسی اور کلام سے نہیں ہوتے۔ قرآن مجید تو اس حیثیت سے بھی معجزہ ہی ثابت ہوتا ہے۔۔۔ سبحان اللہ و بحمدہ و سبحان اللہ العظیم، (اللہ کی ذات پاک ہے، وہی لائقِ تعریف ہے، اور پاک اللہ عظمت والا ہے)۔

شیخؒ جابجا مختلف علوم، مثلاً ہیئات، منطق اور کلام کے مسائل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ترجمے میں ان مسائل کی توضیح کرنی پڑتی ہے۔

عقائد شیخ اکبر:

شیخؒ، فتوحات مکیہ، جلد اول، صفحہ ۳۶ میں فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ اے میرے برادران و احباب! اللہ تعالیٰ تم سے راضی رہے۔ تم کو گواہ بناتا ہے عبدِ ضعیفِ مسکین، جو ہر آن ہر لحظہ فقیر و محتاج الی اللہ ہے۔ وہ اس کتاب کا مصنف و منشی ہے۔ وہ تم کو اپنے نفس پر گواہ کرتا ہے۔ بعد اس کے کہ وہ گواہ کرتا ہے اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اور تمام حاضر مومنین کو، اور جو سنیں ان کو بھی، اپنے قول و عقیدے پر شاہد بناتا ہے۔۔ کہ:

اللہ ایک ہے۔ الوہیت میں اس کا ثانی نہیں۔ وہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ منزّہ (یعنی عیب سے بری) ہے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہ ہے۔ اس کا کوئی وزیر نہیں۔ صانع ہے، اس کو کوئی تدبیر سکھانے والا نہیں۔ وہ بذاتہٖ موجود ہے۔ وہ کسی موجد کا محتاج نہیں۔ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں اپنے وجود میں سب اُس کے محتاج ہیں۔ پس تمام عالم اس سے موجود ہے۔ وجود بالذّات و بنفسہٖ سے صرف وہ (ہی) موصوف ہے۔

اللہ، عرض (یعنی ایسی ذات جو کسی کے ساتھ مل کر قائم ہو) نہیں ہے کہ اس کی بقا مستحیل (یا ناممکن) ہو۔ وہ جسم نہیں ہے کہ اُس کے لیے جہت اور مقابلہ ہو۔ وہ جہات و اقطار (یعنی رُخ اور حدود) سے مقدس و پاک ہے۔ اُس کا دیدار، دل سے بھی ہو سکتا ہے، اور آنکھوں سے بھی۔ جب چاہے اپنے عرش پر مستوی و جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس استوا سے اللہ کی جو مراد ہو، میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔

عرش و ماسوائے عرش، حق جلّ و علا ہی سے قائم ہے۔ دنیا بھی اُسی کی ہے، آخرت بھی اُس کی۔ اور آخر، سب اُسی کا ہے۔ اس کا مثل، معقول نہیں۔ اُس کی بے نظیری مجہول نہیں۔ زمانہ اُس کو محدود نہیں کر سکتا۔ مکان اس کو بلند نہیں کر سکتا۔ وہ اُس دَم بھی تھا جب مکان نہ تھا۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا اور رہے گا۔ مکان اور متمکن دونوں کو اُس نے پیدا فرمایا۔ زمانے کو بھی اُس نے پیدا کیا۔ وہ فرماتا ہے " میں ایک ہوں، زندہ ہوں، مجھے حفاظتِ مخلوقات دشوار نہیں"۔ اُس کی کوئی صفت ایسی نہیں جو مصنوعات کے پیدا کرنے میں پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں۔ یا اس کے صفات اس کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے صفات سے پہلے ہو۔ کیوں کہ یہ قبل و مابعد، زمانے کے لحاظ سے ہیں جو اُس کا مخلوق ہے، وہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی دوسری شئے نہیں تھی۔

وہ قیوم ہے، اُس پر سب کا قیام و دارو مدار ہے۔ وہ کبھی نہیں سوتا۔ وہ قہار ہے۔ اس کی ساحتِ عزت (یعنی شان) تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس کا مثل کوئی نہیں۔ اُس نے عرش پیدا کیا اور استوا کو سلطنت کی حد بنایا۔ اُس نے کرسی پیدا کی۔ پست زمین اور بلند آسمانوں سے اس کو وسیع تر پیدا کیا۔ اس نے لوح و قلم کو پیدا کیا۔ اور روزِ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اپنے علم کے مطابق قلم سے لکھوایا۔ اُس نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے عالم کو پیدا کیا۔ مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں کہنہ (یعنی پرانا) بھی کر دیا۔

اُس نے ارواح کو اجساد (یا جسموں) میں امین بنا کر اُتارا، اور ارواح کو اجساد میں جن میں روح اتری ہے، اپنا خلیفہ بنایا۔ آسمان زمین میں جو کچھ ہے اس کو اپنی قدرت سے انسان کا مطیع فرمادیا۔ جو ذرّہ حرکت کرتا ہے، اُسی کی طرف حرکت کرتا ہے۔ سب کچھ اس نے پیدا کیا۔ اس کو کسی کی حاجت نہ تھی۔ اس پر ان کے پیدا کرنے کو کسی نے واجب نہیں کیا۔ پیدا کرنے سے پہلے اُس کو ان سب کا علم تھا۔ لہٰذا وہی اول ہے وہی آخر۔

وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ سب کو علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمام اشیا کے عدد سے وہ واقف ہے۔ وہ رازوں کو اور خفی تر چیزوں کو جانتا ہے۔ آنکھوں کی خیانت سے اور سینے جن چیزوں کو چھپاتے ہیں، سب کو جانتا ہے۔ بھلا جس کو اُس نے پیدا کیا ہو، اس کو کیوں نہ جانے گا۔۔۔! کیا خود خالق بھی ہو گا اور پھر مخلوق کو نہ

جانے گا۔۔۔؟ وہ لطیف وخبیر ہے۔ اشیا کے پہلے ان کو جانتا تھا۔ پھر اپنے علم کے موافق ان کو پیدا کیا۔ جب علم کے مطابق اشیا مخلوق ہوئے تو اس کا علم متجدد (یا نیا) نہ ہوا۔

تمام چیزوں کو اُس نے اتقاق وضبط (رضامندی و قاعدے) سے پیدا کیا۔ اسی علم کے موافق تمام اشیا پر حکومت کرتا ہے، اور ان پر دوسروں کو حاکم بناتا ہے۔ وہ تمام کلّیات کو جانتا ہے۔ جیسے وہ تمام جزئیات کا علم رکھتا ہے۔ اس مسئلے پر تمام عقلِ سلیم اور رائے صحیح رکھنے والوں کا اتفاق واجماع ہے۔ پس وہ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے [(یعنی) نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، (الانعام: ۷۳ اور کئی آیات میں)]۔

جن چیزوں سے لوگ شرک کرتے ہیں، اُن سے وہ اعلیٰ وارفع ہے۔ اُس کی قدرت کسی شئے سے متعلق ہوتی ہے تو اس سے پہلے اُس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے۔ اُس کا ارادہ کسی شئے سے متعلق نہیں ہوتا، مگر یہ کہ اس سے پہلے علم متعلق رہتا ہے یعنی جان کر ارادہ کرتا ہے۔ عقل، محال (یا سخت دشوار) سمجھتی ہے کہ بغیر علم کے ارادہ کرے اور پھر فاعل، مختار، صاحبِ قوت واقتدار بھی ہو۔ ترکِ فعل کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ اسی طرح (یہ بھی) محال (یعنی تقریباً ناممکن) ہے کہ صفات بغیر ذات کے قائم رہیں۔ پس پہلے ذات کا مرتبہ ہے، پھر صفات کا۔ صفات میں پہلے حیات ہے، پھر علم، پھر ارادہ اور پھر قدرت وکلام۔۔۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام چیزیں ارادۂ الٰہی ہی سے ہیں۔۔۔ خواہ طاعت ہو، خواہ عصیاں۔ خواہ فائدہ ہو، خواہ نقصان۔ بندہ ہو یا آزاد۔ حیات ہو یا موت۔ حصول ہو یا قوّت۔ دن ہو یا رات۔ اعتدال ہو یا میل۔ بر ہو یا بحر۔ جفت ہو یا طاق۔ جوہر ہو یا عرض۔ صحت ہو یا مرض۔ خوشی ہو یا غمی۔ روح ہو یا جسد۔ روشنی ہو یا تاریکی۔ زمین ہو یا آسمان۔ ترکیب ہو یا تحلیل۔ کثیر ہو یا قلیل۔ صبح ہو یا شام۔ سپیدی ہو یا سیاہی۔ سونا ہو یا جاگنا۔ ظاہر ہو یا باطن۔ متحرک ہو یا ساکن۔ خشک ہو یا تر۔ پوست ہو یا مغز۔ یہ نسبتیں جو متضاد بھی ہیں، مختلف بھی (اور) مماثل بھی، سب تحتِ ارادۂ حق جل وعلا ہیں۔ یہ تحتِ اردۂ الٰہی کیوں کر نہ ہوں گی جب کہ اللہ ان کا ایجاد کرنے والا ہے۔ کیا بے ارادہ کام کرنے والا مختار بھی ہو سکتا ہے۔۔؟ کوئی اس کے ارادے کو نہیں روک سکتا۔ کوئی اس کے حکم سے پیٹھ نہیں پھیر سکتا۔ جس کو چاہتا ہے ملکِ حکومت دیتا ہے۔ جس سے چاہتا ہے ملک وحکومت کو نکال لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ جو چاہا ہوا، جو نہ چاہا نہ ہوا۔ بغیر اللہ کے ارادے کے، کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ بندے کسی کام کا لاکھ ارادہ کریں، جب تک خدا نہ چاہے وہ کام نہ ہو گا۔ نہ اس کے کرنے کی استطاعت وقوت ہو گی۔ پس کفر وایمان، طاعت وعصیان، سب اُس کی مشیت وحکمت وارادت سے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہے۔

عالم، بالذّات معدوم ہے۔ غیر موجود فی الخارج ہے، اگرچہ ذاتِ الٰہی میں موجودِ ذہنی کے طور پر ثابت ہے۔ عالم کو خدا نے ایجاد کیا، مگر اس نے نہ فکر کی، نہ جہل وعدم علم سے تدبیر کیا اور نہ تفکّر و تدبّر سے علم مجہول حاصل ہوا۔ وہ اس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ نے علم کو ایجاد کیا تو اپنے علم سابق کے مطابق۔ خواہ مکان ہو یا زمان یا اکوان (یعنی پوری کائنات)۔ حقیقی و بالذّات ارادہ اللہ ہی کا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے، وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّـهُ [(یعنی) اور تم صرف وہی چاہتے ہو جو خدا چاہے، (الانسان:۳۰ اور التکویر:۲۹)]۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے موافق حکم کیا۔ ارادے کے مطابق خصوصیتیں عطا کیں۔ اندازہ و تقدیر کے موافق ایجاد کیا۔ جو متحرک و ساکن ہے۔ جو عالم اعلیٰ و اسفل میں، ناطق و گویا ہے۔ سب کو دیکھتا سنتا ہے۔ بُعد (یعنی دوری)، اس کی سماعت کا حجاب نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ قریب ہے۔ قُرب (یعنی نزدیکی)، اس کی بصارت کا حجاب نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ بعید ہے۔ دل ہی دل میں گفتگو کرو، اس کو وہ سنتا ہے۔ وہ ہاتھ کی رگڑ کی خفیف سی خفیف آواز سنتا ہے۔ سیاہ چیز کو اندھیرے و ظلمت میں (اور) پانی کو پانی میں دیکھتا ہے۔ (اُس کے لیے) ریزش و امتزاج (یعنی تتر بتر ہونا یا مدغم ہو جانا) حجاب ہوتا ہے، نہ ظلمات و نور مانع۔۔۔ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ [(یعنی) وہ سب کی سنتا ہے، سب کو دیکھتا ہے، (الاسراء:۱ اور کئی آیات میں)]۔

اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، مگر اس سے پہلے نہ وہ صامت (وخاموش) تھا نہ ساکت (وبے حرکت)۔ جیسا اس کا علم، ارادہ اور قدرت قدیم ہیں اسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اپنے کلام کا نام تنزیل و زبور و تورات و انجیل رکھا۔ اس کا کلام نہ انسان کی طرح حرف ہے، نہ صوت، نہ نغمہ، نہ لغات۔ بلکہ وہ خالقِ اصوات و حروف و لغات ہے۔ اس کے کلام کے لیے نہ زبان کی ضرورت ہے نہ (حلق میں) کوے کی حاجت۔ جس طرح کہ اس کی سماعت کے لیے نہ سوراخِ گوش کی ضرورت ہے نہ کان کی۔ جس طرح اس کی بصر (و نظر) کے لیے نہ دیدے کی ضرورت ہے نہ پپوٹے کی۔ جیسے اس کے ارادے کا مقام نہ دل ہے نہ دماغ۔ اُس کا علم نہ اضطرار سے ہے، نہ دلیل و برہان میں غور و فکر سے۔ (اور) نہ اُس کی حیات اُس بخار سے ہے جو امتزاجِ ارکان سے تجویفِ قلب سے نکلتا ہے (یعنی، نہ ہی اس کی حیات کسی دل اور اس کی دھڑکن پر منحصر ہے)۔ اُس کی ذات نہ قابل زیادت ہے نہ نقصان۔ سبحان اللہ۔

وہ قریب و بعید ہے۔ اس کی سلطنت عظیم ہے۔ اس کے احسانات عمیم ہیں (سب پر حاوی ہیں)۔ اس کا امتنان (واحسان) کثیر ہے۔ ماسواء اللہ، اس کے جود و سخا سے فائض ہیں۔ اُس کا فضل و عدل باسط ہے، قابض ہے۔

(اُس نے) عالم کی پیدائش کو کامل و عجیب و غریب بنایا جب کہ اس کو ایجاد کیا، اختراع کیا۔ اُس کا، اُس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں۔ نہ اُس کے ملک میں کوئی اُس کے ساتھ مدبّر ہے نہ مشیر ہے۔ اگر اس نے انعام عطا کیا اور اچھا انعام عطا کیا تو یہ اس کا فضل ہے۔ اگر عذاب میں مبتلا کیا تو اس کا عدل ہے۔ اپنے، غیر کے ملک میں اس نے تصرف نہیں کیا کہ جور و ستم کی اس کی طرف نسبت کی جائے۔ کوئی اس پر حکم نہیں لگا سکتا کہ اسے جزع و فزع (یا گریہ وزاری) کرنا پڑے۔ ہر ایک اس کے سلطانِ قہر کے ماتحت ہے۔ وہ اپنے ارادے و امر سے متصرف (یعنی تغیر و تبدل کرنے والا) ہے۔ وہ نفوسِ مکلفین (یعنی لوگوں) میں تقویٰ و فجور ڈالتا ہے۔ لوگوں کے گناہوں سے، جس سے چاہتا ہے تجاوز کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے مواخذہ کرتا ہے۔ یہاں بھی اور روزِ قیامت بھی فضل کے موقع پر عدل نہیں کرتا، اور عدل کے موقع پر فضل نہیں کرتا۔

اس نے عالم کو دو مٹھیوں سے نکالا اور ان کے دو درجے کیے۔ پھر فرمایا۔ یہ جنت کے لیے ہے، اور مجھے اس کی کیا پرواہ ہے۔۔۔ اور یہ دوزخ کے لیے ہے، اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ اُس وقت اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ کیوں کہ اُس وقت اس کے ساتھ کوئی تھا ہی نہیں۔ سب اس کے اسما کے زیر تصرف ہیں۔ ایک مٹھی میں کے تو، بلا انگیز اسما کے ماتحت ہیں، اور ایک مٹھی میں کے، انعام و اکرام بخش اسما کے ماتحت ہیں۔ اللہ سب کو خوش بخت کرنا چاہتا تو ہو سکتا تھا (یا) بدنصیب کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہ چاہا۔ ہوا وہی جیسا کہ اس نے چاہا۔ لہٰذا ان میں سے بعض شقی ہیں بعض سعید۔ یہاں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے حکم قدیم میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔

نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بظاہر یہ پانچ ہیں اور در حقیقت پچاس۔ میری بات بدل نہیں سکتی۔ میں بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ میرا تصرف میرے ملک میں ہے اور میری مشیت میری ملک میں ہے۔ اس کی ایک حقیقت ہے جہاں تک نہ بصارت کی رسائی ہے نہ بصیرت کی۔ اور نہ فکر و ضمیر کو اس سے واقفیت ہے، مگر یہ کہ اللہ کی موہبت (یعنی عطا) اور رحمان کی سخاوت ان بندوں سے متعلق ہو جن پر توجہِ خاص مبذول ہے۔ اس کے نظام نامے میں مکتوب ہے (اور) ان سب سے معلوم ہو گیا کہ شانِ الوہیت نے یہ تقسیم کی ہے اور اس میں حکمت قدیم ہے۔ سبحان اللہ ۔

اُس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ وہ سب کا خالق ہے، اُس کا کوئی خالق نہیں۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ، (یعنی) اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمھارے افعال کو بھی، (الصافات:۹۶)۔۔۔ لَا یُسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْأَلُونَ، (یعنی) اس کام پر کسی کو سوال کرنے کا مقدور نہیں، بندوں سے جواب پُرسی کا اُس کو حق ہے، (الانبیاء:۲۳) ۔۔۔ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ فَلَوْ شَاءَ لَھَدَاکُمْ أَجْمَعِینَ (یعنی) اللہ کی حجت تام (و تمام) ہے، وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا، (الانعام:۱۴۹)۔

دوسری شہادت میں گواہ بناتا ہوں، نیز اُس کے فرشتوں کو اور تمام خلق کو، اور تم کو، اپنے نفس پر کہ میں توحیدِ الٰہی کا قائل و معتقد ہوں۔ نیز، اللہ سبحانہٗ کو گواہ بناتا ہوں اور فرشتوں کو اور تم کو اپنے نفس پر ۔۔۔ کہ:

میں حضرتِ مصطفیٰ، مختار و مجتبیٰ، برگزیدۂ خلائق و موجودات، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ آپؐ، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ آپؐ، سراجِ منیر ہیں۔ شمعِ روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو کچھ اُتارا اس کی تبلیغ کی، اللہ کی امانت کو ادا کیا۔ آپؐ نے حجۃ الوداع، آخری حج میں تمام حاضرین کے سامنے خطبہ پڑھا۔ آپؐ نے نصیحت کی۔ ڈرایا، دھمکایا۔ خوشخبری دی۔ وعد و وعید فرمایا۔ گویا آپؐ برسے بھی، گرجے بھی۔ آپؐ کی نصیحت کسی سے خاص نہ تھی۔ یہ سب بجکم احد و صمد تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا، دیکھو! کیا میں نے تبلیغ نہیں کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے تبلیغ کی، سب کچھ پہنچا دیا۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ! تو گواہ رہ۔

پھر آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت (محمدؐ) جو کچھ عقائد و احکام لائے ہیں، میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ میں اُس کا مومن ہوں۔ احکام نبویؐ میں سے جن کو جانتا ہوں (اور) جن کو نہیں جانتا، سب پر ایمان ہے۔ میں ایسا ایمان رکھتا ہوں جس میں نہ شک ہے نہ شبہ۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ وقتِ مقرر پر موت حق ہے۔ میں ایمان رکھتا ہوں کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ اجساد کا قبروں سے بعث اور اُٹھنا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض ہونا اور پیش ہونا حق ہے۔ حوضِ کوثر حق ہے۔ میزان حق ہے۔ اعمال ناموں کا اُڑ کر ہاتھوں میں آنا حق ہے۔ صراط پر سے گزرنا حق ہے۔ جنت بھی حق ہے، دوزخ بھی حق ہے۔ بعض لوگوں کا جنت میں جانا اور بعض کا دوزخ میں جانا حق ہے۔ روزِ قیامت بعض لوگوں پر کرب و بے قراری بھی حق ہے۔ بعض لوگوں کو اس پریشانی کے وقت حزن و غم نہ ہونا بھی حق ہے۔ انبیا، ملائکہ و مومنین کی شفاعت بھی حق ہے۔ ارحم الراحمین کا سب کی شفاعتوں کے بعد بعض کو دوزخ سے نکالنا بھی حق ہے۔ بعض کبیرہ گناہ والوں کو دوزخ میں ڈالنا، پھر نکالنا بھی حق ہے۔ خواہ شفاعت سے خواہ امتنان و احسان سے۔ مومنین و موحدین کا جنت میں دائمی نعمتوں میں ابد تک رہنا بھی حق ہے۔ کتبِ آسمانی اور انبیا سے جو کچھ پہنچا ہے، حق ہے۔ خواہ ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ یہ میری شہادت ہے میرے نفس پر۔ یہ میری امانت ہے۔ جس کے پاس یہ امانت نہ پہنچے، اگر اس سے کوئی سوال کرے تو وہ اس کو ظاہر کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو، تم کو، اس ایمان سے نفع بخشے۔ جب ہم اس دارِ فانی سے انتقال کریں، اس پر ثابت و قائم رکھے۔

شیخؒ کا فلسفہ:

- شیخؒ کے فلسفے کا دارومدار، ان اصول پر مبنی ہے۔

۱۔ وجود بالذّات حق تعالیٰ میں منحصر ہے۔ ماسواءاللہ کا وجود بالعرض ہے۔

ممکن کا بالعرض وجود ہستیٔ حق ہی حقیقت ہے

۲۔ وجود بمعنیٰ مابہ الموجودیۃ، عینِ ذات حقیقت ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا جتنے ہیں سب انتزاعی ہیں۔ ان کا وجود مستقل تو کجا، وجودِ انضمامی بھی نہیں ہے۔

خارج میں ہے اصل وجود علم میں ساری حقیقت ہے

۳۔ اسماے الٰہیہ نیز ممکنات لاعین ولاغیر ہیں۔ یعنی ان کا منشا ذاتِ حق ہے۔ اور بعد منتزع و مفہوم ہونے کے غیر ہیں۔

ذات وصفت ہیں فہم میں غیر منشا میں ، عینیت ہے

۴۔ علم و معلوماتِ حق یعنی اعیان ثابتہ کا مرتبہ، قبلِ قدرت وارادہ ہے۔ یعنی غیر مخلوق ہیں۔

کُن سے پہلے جو کچھ ہے وہ مافوق القدرت ہے

۵۔ اعیان ثابتہ و حقائق اشیا، ظہوراتِ اسماے الٰہی کے امکانات ہیں۔ جن کو وجود خارجی کی بُو تک نہیں پہنچی۔

اعیاں، امکانات ہی ہیں ان میں کب موجودیت ہے

۶۔ کُن سے پہلے، مراتبِ داخلی والٰہی ہیں۔ کُن کے بعد، مراتبِ خارجی و مخلوقات ہیں۔

۷۔ اعیان ثابتۂ مخلوقات، و حقائق کونیہ، و طباع ممکنات پر اسماو صفاتِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے۔ یایوں کہو کہ علم کے ساتھ قدرتِ الٰہی ملتی ہے تو ان دونوں کے ملنے سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے وہ مخلوقات و ممکنات ہیں۔

عین سے جب کُن ملتا ہے حادث ساری خلقت ہے

Siddiqui Publications

۸۔ اعیان ثابتہ وحقائق ممکنات پر ویسی ہی تجلی ہوتی ہے جیسا اُن کا اقتضا ہے۔

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم جس کی جیسی لیاقت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے جس کی جیسی فطرت ہے

۹۔ حقیقتِ کلّی پر تجلّیِ کلّی، اور حقیقتِ جزئی پر تجلّیِ جزئی ہوتی ہے۔

قدر وسعِ آئینہ ظاہر ہوتی صورت ہے

۱۰۔ اعیان وحقائق کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسے کیوں ہیں۔

کیوں کے سوال کی حد بھی ہے خارج اس سے حقیقت ہے

۱۱۔ تقدیر کیا ہے؟۔۔عالم میں جو کچھ نمایاں ہونے والا ہے اس کا نظام العمل یا پروگرام ہے۔

ترتیب اعیاں میں ظہور عین قدر وقسمت ہے

۱۲۔ الف سے ب پیدا ہوا، ب کا نتیجہ ج ہے۔ ج کو د، لازم ہے۔ یہ استلزام (یعنی ضرورت) ہے، نہ کہ جبر۔ جبر کیا ہے؟۔۔کسی کو اس کے افعال طبیعی سے کسی خارجی قوت کا روکنا (جبر ہے)۔

استلزام نہیں ہے جبر جبر تو غیر کی قوت ہے

۱۳۔ وجودِ مطلق، خیرِ مطلق ہے۔ اور عدم محض، شر محض۔ وجود اضافی کے ساتھ عدم اضافی لگا رہتا ہے۔ لہٰذا اس سے کچھ خیر کچھ شر ظاہر ہوتا ہے۔

شریت سب عدم سے ہے ہست میں سب خیریت ہے
فہم میں جو شر آتا ہے مرجع اس کا، اضافت ہے

۱۴۔ مرکبات کو {جو اعتباری ہے، مگر واقعی ہوتے ہیں} مخلوقیت ومجعولیت یعنی پیدا ہونا عارض ہوتا ہے، نہ کہ بسائط کو۔

۱۵۔ مرکب، گو اعتباری ہوتا ہے۔ مگر اس کی بھی ایک طبیعت وحقیقت ہوتی ہے اور اس کے لوازم و آثار ہوتے ہیں، جو اجزا کے آثار کے سوا ہیں۔

خلق بسیط نہیں ہوتا غیر میں مخلوقیت ہے
اجزا کے احکام ہیں اور کُل کی اور علامت ہے

۱۶۔ علم، معلوم کا تابع ہوتا ہے۔ یعنی جیسی چیز ہوتی ہے ویسا ہی خدائے تعالیٰ جانتا ہے۔ نہ کہ چیز کچھ اور ہے اور جاننا کچھ اور طرح ہے۔

۱۷۔ انقلابِ حقائق جائز نہیں۔ پس عدم، وجود نہیں ہو سکتا (اور) نہ وجود، عدم۔

نیست بھلا کیا ہو گا ہست باطل قلبِ حقیقت ہے

۱۸۔ وجودِ علمی کو ثبوت، اور وجودِ خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ بعض دفعہ ثبوت و وجود علمی کو عدم بھی کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا اعیان ثابتہ، جو معلوماتِ حق ہیں، غیر موجود فی الخارج اور معدوم ہیں۔

۱۹۔ عین ثابتہ کی استعدادِ کلّی کے مطابق، عینِ خارجی کے استعدادات پیدا ہوتے ہیں۔

۲۰۔ حق تعالیٰ سے ہر دم و ہر لحظہ، امدادِ وجود ہے۔ اور ممکن و مخلوق ہر لحظہ اس کی طرف محتاج ہے۔ حق تعالیٰ قیوم السمٰوات والارض ہے۔

۲۱۔ ظہورات و تعلقات کے حدوث (یعنی پیدا ہونے سے) سے اصل شئے کا حدوث (یعنی ظاہر ہونا) لازم نہیں آتا۔

۲۲۔ شئے کے دو تعیّن ہوتے ہیں۔ ایک، تعیّنِ ذاتی، ذات کے لحاظ سے جو کبھی نہیں بدلتا۔ دوم، تعیّنِ وصفی، جو اوصاف کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ اس تعیّن کے بدلنے سے ذات کی جزئیت و تشخص پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

Siddiqui Publications